تعارُفِ کتب

عمرؓ، فاروقِ اعظم | کسی ذات کی صداقت اور عظمت پر بہت سی دوسری شہادتوں کے علاوہ ایک شہادت عام طور پر یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اُس کے فلاں فلاں قسم کے اونچے انسان پیدا کیے۔ سرورِ کائنات محمد رسول اللہؐ اس باب میں بھی تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہیں کیونکہ حضورؐ نے جن خوش نصیب انسانوں کی تربیت فرمائی، انسانیت ان کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ انہیں پاکباز اور خوش بخت ہستیوں میں ایک ہستی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبوت کا اعجاز دیکھیے کہ جو شخص گھر سے رسالتمآب کا سر مبارک لینے کے لیے نکلتا ہے وہ آناً فاناً ان کا ایک پُرسوز فدائی اور جاں نثار خادم بن جاتا ہے ——— ایک ایسا خادم جو زندگی کے آخری سانس تک اپنے آقا کی اتباع اور چاکری کو ہی اپنی حیات کی سب سے قیمتی متاع سمجھتا رہا۔

زیرِ تبصرہ کتاب اسی بطلِ جلیل کی داستانِ حیات ہے۔ اس داستان کو مصر کے مشہور محقق محمد حسین ہیکل نے بڑی محنت اور دیدہ وری سے مرتب کیا اور اب حبیب اشعر صاحب نے نہایت عمدہ طریق سے اسے اُردو کا جامہ پہنایا ہے۔

ہیکل صاحب مسلمانوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے جدید نظریات و افکار سے گہرا اثر قبول کیا ہے۔ چنانچہ اُن کی پہلی تحریریں اس بات کی پوری طرح غمازی کرتی ہیں۔ عمر کے آخری سالوں میں اُن میں دینی نقطۂ نظر سے خوشگوار انقلاب پیدا ہوا اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح مرتب کیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے اُن کی وسعتِ نظر، بے لاگ تنقید اور نکتہ رس ذہن کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی جو تبصرہ نگار نے محسوس کی ہے وہ اس کے نقطۂ نظر کی صحت ہے۔ مسلمانوں کے ہاں جو جدید سوانح نگار پیدا ہوئے ہیں اُن کی تحریروں کے اندر بالکل

غیر شعوری طور پر اُس زہر کے اثرات آجاتے ہیں جو اہلِ مغرب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جلیل القدر صحابہ کے متعلق پھیلا رکھا ہے۔ ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ ہم ان سب غلط اثرات کا پُوری طرح جائزہ لیں۔ ہم صرف اُن کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اہلِ مغرب بڑی چالاکی اور عیاری کے ساتھ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اس غلط خیال کی ہمیشہ سے آبیاری کرتے رہے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ نے اوّل تو کوئی قابلِ قدر ترقی نہیں کی اور اگر کچھ کی بھی ہے تو یہ محض چند فتوحات تھیں جو صرف دو چار اشخاص کی قوتِ عمل کی رہینِ منت ہیں۔ اس قوم نے نہ تو دنیا کو کوئی اقدارِ حیات دیں اور نہ ہی اس نے فکر و نظر کے زاویے بدلے بس ایک جوش اور ہیجان تھا جس نے دنیا کے ایک حصّہ کو وقتی طور پر زیر و زبر کر دیا۔

اس غلط خیال کی ترویج اشاعت کے ڈھنگ بھی بڑے ہی دلچسپ اور نرالے ہیں اور اُن میں سب سے کامیاب یہ ہے کہ مسلمانوں کی کسی قابلِ احترام شخصیت کو لے لیا جائے اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اُس نے جو کچھ کیا وہ کسی فکر و نگاہ کی تبدیلی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اُس شخص کی اپنی ذاتی قابلیت، ذہانت اور فطانت کا ثمرہ تھا۔ اسلام کی ترقی اس طرح محض ایک اتفاقی واقعہ بن کر رہ جاتی ہے اور اسلام نے ذہنوں کے اندر جو انقلاب پیدا کیا ہے۔ اہلِ دنیا کو جو صحت بخش اقدارِ حیات دی ہیں، لوگوں کے سوچنے اور غور کرنے کے جو انداز تبدیل کیے ہیں اُن کی اہمیت نظروں سے غیر محسوس طور پر اوجھل ہونے لگتی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے مغربی ذہن جو دو بڑی شخصیتیں سامنے لاتا ہے اُن میں ایک حضرت عمر فاروقؓ ہیں اور دوسرے حضرت خالد بن ولیدؓ۔ چونکہ ان دو خادمانِ دین کے لیے مسلمان اپنے دلوں میں غایت درجہ احترام اور جذباتِ سپاس گزاری رکھتے ہیں۔ اور ان کی دینی خدمات بھی مسلّم ہیں اس لیے ان کی تعریف کرتے ہوئے نہایت عیاری کے ساتھ دلوں پر یہ تاثر قائم کیا جاتا ہے کہ اسلام کو جو عروج نصیب ہُوا وہ صرف انہیں دو ہستیوں کی وجہ سے تھا ورنہ اسلام میں خود کوئی کشش ایسی نہیں جو دلوں کو مسخر کر سکے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلوار نے سلطنتوں کو

سرنگوں کیا اور حضرت عمرؓ کے فہم و فراست نے ایک نظامِ اجتماعی کی بنیاد رکھی۔ یہ دام اتنا ہمرنگِ زمین ہے کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگ اس کے فریب میں آگئے۔ یہاں تک کہ علامہ شبلی مرحوم جیسے بالغ نظر اور صاحبِ فکر انسان کی شہرہ آفاق تصنیف "الفاروق" پر بھی اس غلط نظریہ کی پرچھائیں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اور یوں نظر آتا ہے کہ وہ بھی اپنے ذہن کو اس باطل خیال سے پوری طرح محفوظ و مامون نہ رکھ سکے۔

ہماری اس گذارش کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم معاذاللہ حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت خالدؓ بن ولید کی عظمت کے قائل نہیں، یا ہم انہیں اُس بلند مقام سے جو ہادیٔ برحق نے عطا فرمایا ہے فروتر سمجھتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم ان دونوں حضرات کی بزرگی اور دینی خدمت کو اُسی طرح مانتے ہیں جس طرح کہ ایک مسلمان کو ماننا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس طرح ان حضرات کی تعریف و توصیف فرمائی ہے وہ بھی پوری طرح ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ان سے بغض و حسد ہماری نگاہ میں اسلام اور رسالتمآبؐ سے دشمنی کے مترادف ہے۔ پھر تاریخی نقطۂ نظر سے بھی ہمیں یہ تسلیم ہے کہ انہوں نے مسلمانوں اور خود انسانیت پر جو احسانات کیے ہیں اُن سے نہ تو ملّتِ اسلامیہ سبکدوش ہوسکتی ہے اور نہ ہی آدمیتؔ انہیں کبھی بھلا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جو کچھ اس دنیا میں دین کی سربلندی کے لیے کیا وہ اُن کی کسی ذاتی قابلیت یا ذہانت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ اُس فیض کا اثر تھا جو حضورؐ کی جوتیوں کے طفیل انہیں حاصل ہوا۔ پھر جس فیض سے انہیں حصہ ملا، اُسی سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور بے شمار دوسرے صحابہ بھی نوازے گئے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ اس معاملے میں تنہا نہ تھے بلکہ حضورؐ نے انسانیت کے جو نہایت ہی اونچے نمونے پیدا کیے اُن میں ایک وہ بھی تھے۔ اس لیے جو شخص اس مردِ حق آگاہ کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ منبعِ فیض یا اس کے دوسرے رفقاؓ کی اہمیت کم ہو جائے وہ درحقیقت اسلام پر، مسلمانوں پر اور تاریخ انسانی پر ایک ظلم کا ارتکاب کرتا ہے

محمد حسین ہیکل اس اعتبار سے کامیاب ہیں کہ انہوں نے اس چیز کو پوری طرح پیشِ نظر رکھا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی سیرت بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس امر کی اچھی طرح صراحت کی ہے کہ انہیں جو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی وہ محض حضور سرورِ کائنات اور اُن کے جلیل القدر رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اتباع اور پیروی کا صدقہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ فاروقی اسلام کا اہم ترین دور تھا جس میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں مستحکم ہوئیں، حکومت کا نظام مرتب کیا گیا اور مصر کے علاوہ اُن دوسرے ممالک پر بھی اسلام کا پرچم لہرایا جو روم اور ایران جیسی باجبروت سلطنتوں کے لیے سرمایۂ نازش و افتخار تھے۔ بایں ہمہ حضرت عمرؓ کا عظیم الشان عہدِ خلافت، عہدِ صدیقی کا مرہون اور اس کا تتمہ ہے۔ جس طرح عہدِ صدیقی عہدِ رسالت کا احسان مند اور اس کا تکملہ ہے۔" (ص ۲۸)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر بحث کرتے ہوئے فاضل مصنف فرماتے ہیں:

"اسلامی سلطنت کی تعمیر عقیدے نے کی۔ یہ عقیدہ بخشنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ ہی نے اس عمارت کی ٹھوس بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد آپ کے رفیق اور جاں نثار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس عقیدے سے بغاوت کرنے والوں کا قلع قمع کر کے اور اہلِ عرب کو عراق و شام کی حدود میں پہنچا کر اسلامی سلطنت کے قیام کی راہ ہموار کی۔ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عمارت کو مکمل کیا اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے چھوڑ گئے۔"

کتاب کا یہ پہلو بہت روشن ہے اور اس کے لیے فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مغرب کے پھیلائے ہوئے زہر کو اس معاملہ میں اثر انداز ہونے نہیں دیا لیکن ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو شخص کتاب کے ایک حصے میں اس بات کا دعویدار ہے کہ حضرت عمرؓ کی کامیابی کا راز حضور سرورِ کائنات اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیروی میں مضمر تھا

وہ کیونکہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ نقطۂ نظر پیش کرتا ہے جو اس کی بالکل ضد ہے۔ چنانچہ عراق کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ صادر فرمایا اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وہ یہاں تک کہہ جاتا ہے:

"انہوں نے اپنی اسی رائے کے سلسلے میں کتاب و سنّت کے کسی حکم کا نہیں بلکہ مملکت اور اس کی سیاست کے عام مفاد کا سہارا لیا تھا اور اس اعتبار سے یہ حضرت عمرؓ کی ایک اجتہادی رائے تھی"

اس سے زیادہ واضح تضاد کی اور کیا مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ ایک ہی شخصیت کی ایک وقت میں عظمت نبی آخر الزمان کی اطاعت و فرمانبرداری میں سمجھی جائے۔ اور دوسرے وقت میں اُس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اُس نے وقتی مصلحتوں اور عصری تقاضوں کے پیشِ نظر قرآن و سنت کی تعلیمات سے انحراف کیا۔ مغرب کا یہی جادو ہے جو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو جو کچھ ملا وہ صرف بارگاہ نبوت کی کرم فرمائی تھی اور اگر مبداء فیض سے وہ فیض یاب نہ ہوتے تو ان کی حیثیت ایک اونٹ چرانے والے سے کچھ زیادہ نہ ہوتی۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ اُسی مقدس ذات کی خود اپنے متعلق رائے ہے جسے بعض عقل کے اندھے سنتِ رسولؐ کا منکر ٹھہراتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ محمد حسین ہیکل سے بھی اس باب میں بعض انتہائی افسوسناک فروگزاشتیں ہوئی ہیں۔ اُن جیسے محقق سے ہمیں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ جس طرح انہوں نے مہمات کے بارے میں مواد کے تلاش کرنے میں انتہائی محنت سے کام لیا ہے اس سے کہیں زیادہ محنت وہ اس کام پر صرف کرتے اور بعض انجان لوگوں کے سطحی نظریات اور خیالات کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہ پانے دیتے۔ اُن کی نظر سے وہ ہدایات بالضرور گزری ہوں گی جو حضرت فاروق اعظم مملکتِ اسلامیہ کو وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ان کے مطالعہ سے سنتِ رسولؐ کے بارے میں اُن کا موقف پوری وضاحت کے ساتھ سامنے

آجاتا ہے:

إِذَا حَضَرَكَ أَمْرٌ لَا بُدَّ مِنْهُ فَانْظُرْ مَا فِي كِتَابِ اللهِ فَاقْضِ بِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِمَا قَضَى بِهِ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ وَأَئِمَّةُ الْعَدْلِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَاجْتَهِدْ بِرَأْيِكَ

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۹۸)

جب تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں بٹائے دینا ضروری ہو تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنتِ نبویؐ کے مطابق فیصلہ کرو، اگر سنت نبویؐ بھی خاموش ہو تو صلحاء اور ائمہ عدل نے اس طرح کے معاملہ میں جو فیصلہ کیا ہو اس کو سامنے رکھو، اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

سنتِ رسولؐ کے بارے میں جو شخص بنیادی پالیسی یہ رکھتا ہو اور اس بات کے لیے کوشاں ہو کہ حکومت کے کارندے اسی پالیسی کو امورِ مملکت چلانے کے لیے مدار بنائیں اُسے سنتِ رسول کا منکر ثابت کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

سوادِ عراق کی زمینوں کا بندوبست، طلاق ثلاثہ اور مؤلفۃ القلوب، یہ تین چار مسائل ایسے ہیں جنہیں ہر منکرِ حدیث اس بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے وقتی تقاضوں کے پیشِ نظر سنت کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا اس لیے ہر صاحبِ امر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس ثابت شدہ اسلامی حکم کو چاہے بدل دے۔ مگر یہ صورتِ حال کا نہایت سطحی مطالعہ ہے اور محمد حسین ہیکل جیسے محقق کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بھی بغیر تحقیق کے ان باتوں کو قبول کر لیں۔ ان مسائل کے بارے میں سلف اور خلف دونوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ سوادِ عراق کی زمینوں کی تقسیم کے سلسلہ میں جو اختلاف رائے ہوا اور جس طرح اس کا تصفیہ ہوا اُس کی تفصیلات قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں پوری طرح ملتی ہیں۔ جو شخص ان کو پڑھ لے وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ سوادِ عراق کی زمینوں کے بندوبست

بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی اجتہاد کو قرآن کی ہدایات یا اسوہ نبویؐ پر ترجیح دی۔[1]
یہی حال طلاقِ ثلاثہ اور مؤلفۃ القلوب کا بھی ہے۔ ان مسائل کا بھی اگر گہرائی میں اتر کر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی چیز بھی قرآن و سنت کے خلاف نہ تھی بلکہ ان مسائل کو احکام الٰہی اور اسوۂ رسول کی روشنی ہی میں حل کیا گیا۔

اس کے علاوہ کتاب کا ایک اور افسوسناک حصہ وہ ہے جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جدید قوم پرستی کا موسس ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ محمد حسین ہیکل صاحب پر چونکہ خود قوم پرستی کا بھوت سوار ہے اس لیے انہوں نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس میں ملوث کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند فقرے ملاحظہ ہوں۔

"اسلام نے جو اجتماعی نظام جاری کیا۔ وہ روحانی نظام کی طرح سادہ تھا چنانچہ اس کا بھی عربوں کی جماعتی وحدت پر وہی اثر ہوا تھا جو اثر روحانی نظام کا تھا۔" (ص ۱۲)

"حضرت ابوبکرؓ کا ارتداد کی جنگوں میں فتح یاب ہونا اس بات کی قطعی دلیل تھی کہ توحید کے اصول عربوں کے دل میں راسخ ہو چکے ہیں یہی وجہ تھی کہ مدعیانِ نبوت میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ وہ لوگوں کو بُت پرستی اور قدیم جاہلیت کی طرف بلا رہے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجر و انصار صحابہ میں سے جن بزرگوں نے اصولِ توحید کی پیروی کی اور اس کے لیے اپنی جانیں وقف کر دیں ان پر کوئی غالب نہ آسکا۔ یہی ایک نقطہ ہے جس سے وحدتِ عرب نے نہایت تیزی کے ساتھ ثبات و استحکام کی طرف قدم بڑھایا۔"

پھر اس کتاب کے اندر وہ توازن بھی مفقود ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کی اپنی زندگی میں نہایت نمایاں نظر آتا ہے۔ کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیے، ایک عام تاثر جو اُن کی شخصیت کے

---

[1] سواد کی زمینوں اور طلاقِ ثلاثہ کے متعلق ہم ترجمان القرآن جلد ۵ عدد ۱ بابت ماہ رجب ۱۳۷۵ھ میں بحث کر چکے ہیں۔

(بقیہ تعارفِ کتب)

بارے میں ذہن پر مرتب ہوتا ہے وہ ایک فاتح کا ہے۔ سیدنا عمر فاروق کی فتوحات و مہمات بلاشبہ تاریخ انسانی میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور یہ اُن کی فہم و فراست، تدبّر، قوتِ ایمانی کی زندہ شہادت ہیں۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ اہم اُن کے وہ کارنامے ہیں جو انہوں نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کے لیے سرانجام دیئے۔ اس لیے وہ فتوحات سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں لیکن کتاب کے فاضل مصنف نے انہیں بڑے اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ان چند فروگزاشتوں کے علاوہ کتاب بڑی عمدہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کتاب کے طابع اور ناشر مکتبۂ جدید نے اس کی طباعت کا بہت ہی زیادہ اہتمام کیا ہے۔ کتاب ۷۶۵ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اور قیمت بیس روپے ہے۔